

## تبصرے

حالی بحیثیت شاعر - از ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، تقطیع کلاں، صفحات ۹۰، صفحات -

کتابت و طباعت بہتر قیمت پر چھاپی گئی ہے۔ ۵۰ نئے پیسے، پتہ: ادارہ فروغِ اردو لکھنؤ۔

اردو شاعری کی تاریخ میں مولانا حالی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مغرب کے شعری و ادبی افکار اور عصرِ نو کے مقتضیات و مطالبات سے متاثر ہو کر اور اپنی صلاحیتِ خداداد سے کام لے کر اردو شاعری کو ایک نیا موڑ دیا اور اُس کو زندگی اور اُس کی اصلاح و ترقی کا نقیب بنایا لیکن ایک تاریک ماحول کے ہر فارم کی طرح مولانا کی بھی شروع میں سخت مخالفت ہوئی اور اُن پر بہر طرے سے طعن و تشنیع اور مذمت کی بارش ہونے لگی، کسی نے اُن کی زبان پر اعتراضات کئے، کسی نے اُن کی شاعری کو ہدیتِ ملامت بنایا۔ مولانا حالی کے مداحوں نے بھی جواب لکھنے میں کمی نہیں کی لیکن پھر بھی اصل حقیقت یعنی یہ سوال کہ مولانا سب کچھ سہی مگر کیا شاعر بھی تھے؟ اس قابل تھا کہ اس کو سنجیدہ اور عمیق و وسیع تحقیق کا موضوع بنایا جاتا، چنانچہ یہ کتاب جو غالباً ڈاکٹر ایٹکھنٹی نے لکھی ہے اسی مقصد سے لکھی گئی ہے۔ کتاب چھ ابواب پر تقسیم ہے جن میں علی الترتیب خواجہ کے ذاتی حالات و سوانح، اُن کا عہد اور اُس کا پس منظر، اُن کا نظریہ شعر و شاعری، خود اُن کی شاعری، اُن کی مخالفت پر مسبوہ و مدلل گفتگو کرنے کے بعد سب سے آخر میں کتاب کے اصل موضوع پر کلام کیا گیا ہو، لائقِ مصنف نے جس محنت و عرق ریزی سے یہ کتاب مرتب کی ہے اُس کی داد دینا ناظم ہے۔ مولانا سے متعلق مطبوعہ یا غیر مطبوعہ شاید ہی کوئی ایسی تحریر رہ گئی ہو جسے اُنہوں نے نہ پڑھا ہو اور اُس سے کام نہ لیا ہو۔ کتاب کے آخر میں کتابیات کے زیر عنوان اُنہوں نے جو بہت طویل فہرست کتابوں اور اخبارات و رسائل کی دی ہے اُس سے اُن کی تلاش و تحقیق کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اُن کی سادگیِ طبع کا یہ عالم ہے کہ بعض نوآموز لکھے والوں کی تحریروں کا حوالہ دینے اور اُس کی بنیاد پر اپنی رائے کے اظہار تک سے اُنہوں نے ذریعہ نہیں کیا ہے، جو ایک تحقیقی کتاب کے شایانِ شان نہیں ہوتا، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ مولانا حالی کی شاعری برابر اب تک اس قدر جامع اور مفصل

کتاب کوئی اور نہیں لکھی گئی تھی پھر سب کچھ پڑھنے کے بعد موصوف نے مولانا کی شاعری اور اس کے مختلف پہلوؤں سے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ بھی ان کے غور و فکر اور سنجیدہ و معتدل نقطہ نظر کی دلیل ہے چنانچہ باب پنجم میں حالی پر جو اعتراضات کئے گئے تھے انھیں جزئیاتی تفصیل و تجزیہ کے ساتھ نقل کیا ہے اور خاص طور پر زبان سے متعلق اہل لکھنؤ کو جو اعتراضات تھے ان میں سے اکثر کو صحیح مانا ہے اور ہمارے نزدیک بھی وہ صحیح ہیں اگرچہ مخالفین نے بعض جگہ زہرتہ کے رد ہا بندی سے کام لیا ہے بلکہ اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے مثلاً (ص ۳۳) حالی نے ایک شعر میں کہا تھا ”یاد رکھو دوستو سنت ہی یہ اللہ کی“

اس پر مترصنین نے مذاق اڑاتے ہوئے لکھا کہ ”سوائے ہمارے مولانا حالی کے اور کسی نے آج تک یہ سنت نہ دیکھی ہوگی“ حالانکہ قرآن میں ایک ہی مقام پر سنت اللہ کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے، اسی طرح حالی کے لفظ پیش گوئی، پر اعتراض ہو جو غلط ہے اور ”پیشین گوئی“ صحیح نہیں، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا حالی دلی اور لکھنؤ کے اہل زبان کی طرح زبان داں نہیں تھے اور اس لئے ان سے ”سے“ اور ”کے“ کی غلطیاں ہو جاتی تھیں، لیکن اس سے ان کے کمال شاعری پر حرج نہیں آتا۔ اس سلسلہ میں عام طور پر کہتے ہیں کہ حالی قوم کے مرثیہ خواں تھے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حالی کی یہ شاعری مرثیہ نہیں بلکہ رجزیہ ہے، مرثیہ کا زہرتہ آدہ بجا کر نادر شیون و زیادہ ہوتا ہے اور رجز کا مقصد تحریک و ہیجان آفرینی اور اس کے ذریعہ انقلاب پیدا کرنا ہوتا ہی اور حالی نے اپنی شاعری سے ہی کام لیا ہے اور اس میں وہ کامیاب رہے ہیں، بڑی دقت یہ ہے کہ حالی کے مخالفین کے پاس لے دے کے شاعری کا مرثیہ ایک پیمانہ ہے جس سے وہ حالی کی قدیم و جدید دونوں قسم کی شاعری کو ناچتے ہیں۔ اردو شاعری جو دربار شاہی اور امر و نوابوں کے شہستانِ ہمیش میں پروان چڑھی رجزیہ شاعری سے بالکل نا آشنا ہے اس لئے جو لوگ اس سے ناواقف و بے خبر تھے ان کو حالی کی رجزیہ شاعری سے متوحش ہونا ضروری تھا، رجزیہ شاعری عربی شاعری کی ایک مستقل صنف ہو اور دوسری اصناف کی طرح اس صنف کے بھی خاص خاص اصول و قواعد ہیں مثلاً زبان کی سلاست اور سادگی۔ عوامی طرزِ کلام۔ نازک اور دورادہ کار تشبیہات اور اعلیٰ تخیل سے گریز۔ چھوٹی بجز۔ مضامین کا تسلسل۔ ماضی کی عظمت کا ذکر، حال کا بھیانک نقشہ، مستقبل کے لئے حدی خوانی وغیرہ ان سب چیزوں سے واقف

تھے اور انھوں نے ان کو اپنی دور جدید کی شاعری میں مکمل طور پر برتا ہے، نغزل کے پیمانہ سے اس شاعری کو ناپنا اور اس پر کوئی فیصلہ دینا معترضین کی کوتاہ نظری اور غن سے بے خبری کی نشانی ہے، لائق مصنف نے اگرچہ جزئیہ شاعری کا کہیں نام نہیں لیا لیکن حال کو ایک بلند پایہ اور ترقی پسند شاعر ثابت کرنے کے لئے انھوں نے جو دلائل دیئے ہیں ان کا حاصل بھی تقریباً یہی ہے۔ لیکن اسنوس ہے کہ اعتراضات کی بوجھ سے وہ کہیں کہیں اس درجہ مرعوب ہو گئے ہیں کہ تحریر میں بعض جگہ تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۳۳۵ پر لکھتے ہیں: ”مقدمہ سے قبل حالی کی شاعری میں شاعرانہ حسن شباب پر ہے اور مقدمہ کے بعد اس حسن پر زوال آتا گیا، رنگ و روغن اڑتا گیا..... آخر میں یہ پیکر شاعری جھریوں کا مجسمہ بن کے رہ گیا۔ جس میں بختگی عقل تو ہے لیکن دکھتی و جاذبت مفقود“ ص ۳۴۹ پر لکھتے ہیں ”شاعر کی حیثیت سے ان کا مرتبہ بہت بلند اور اعلیٰ نہ سہی اور خواہ انھیں شعرائے اردو کی صفت اول میں شامل نہ کیا جائے، لیکن اس کے باوجود بحث کا خاتمہ جو کیا ہے وہ ان الفاظ پر کیا ہے :- ” شاعر کی حیثیت سے حالی کو جو مرکزیت و جامعیت حاصل ہے وہ کسی اور شاعر کو نصیب نہیں ہے، وہ صفت اول کے شاعروں میں بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ اردو شاعری میں ان کا مقام نہایت اہم ہے، وہ نہ صرف فطری شاعر تھے بلکہ اس عہد کے سب سے بڑے شاعر تھے۔

(ص ۳۸۰) اپنی ہی خیال صفحہ ۳۴۱ پر اس طرح ظاہر کرنے ہیں :- کم از کم اردو شاعری میں حالی کے علاوہ کوئی دوسرا فن کار ایسا نظر نہیں آتا جس نے اس کامیابی کے ساتھ اپنے فن کی تخلیق کی ہو کہ اس میں فنی خصوصیات و کمالات بدرجہ اولیٰ (یہاں اولیٰ کے بجائے لفظ اتم ہونا چاہیے) موجود ہوں، اگر دوسروں کی رائے پر ہی بھروسہ کرنا تھا تو جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے سجاد انصاری سے زیادہ حکیم ناطق لکھنوی کی رائے و فیخ اور وزنی ہے۔ (ص ۳۳۵) علاوہ انہیں چونکہ ابواب کو ذیلی عنوانات پر تقسیم نہیں کیا گیا ہے اس لئے کتاب میں تکرار و تداخل مضامین کا عیب بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ص ۱۴۱ اور ۳۴ پر حالی کے نصب العین کو واضح کرنے کے لئے عربی کے دو جملے خذ مراد صفا... اور درکما.... ایک ساتھ نقل کئے ہیں، حالانکہ ان جملوں کا مفہوم ایک دوسرے کی ضد ہے۔ بعض

جگہ شعر غلط نقل ہو گیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۳۴۳ پر شیقۃ کے شعر کا دوسرا مصرعہ اس طرح ہے :-  
 ”اگ آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی“ مصنف اردو کے نامور ادیب ہیں اور اس لئے کتاب کی زبان  
 بڑی سنگتہ اور انداز بیان سلجھا ہوا اور دلکش ہے مگر غالباً بسقت قلم سے بعض جگہ زبان کی غلطیاں بھی  
 رہ گئی ہیں مثلاً ص ۱۳۴ پر لطن ہندوستان پر نمودار ہوئی“ بجائے ”پر“ کے ”سے“ چاہیے۔  
 صفحہ ۲۱ کے حاشیہ میں ”کو“ کی جگہ ”کا“ ہونا چاہیے۔ آخر میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ لائق مصنف  
 اکثر مقامات پر اپنی رائے دوسرے ناقدین کے لفظوں میں ان کے حوالوں کے ساتھ نقل کرتے چلے  
 گئے ہیں۔ ہماری رائے میں ایک تحقیقی کتاب میں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مختلف نقادوں اور  
 ادیبوں کی آرا کا جائزہ لینے کے بعد مصنف کو خود اپنے الفاظ میں ان سب پر حاکمہ کرنا اور اپنی  
 رائے دینا چاہیے۔ بہر حال مجموعی حیثیت سے کتاب بڑی قابلِ قدر اور اردو ادب کے ہر طالبِ علم  
 کے لئے لائقِ مطالعہ اور معلومات آفرین ہے۔

## اسلام کا زرعی نظام

اسلام نے زراعت اور کاشتکاری کا کتنا مکمل نظام پیش کیا ہے؟ زمین کی تقسیم کن اصولوں کو سامنے  
 رکھ کر کی؟ معاشیات میں زراعت کی کیا حیثیت ہے؟ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں مشترکہ کھیتی کی  
 کیا صورتیں تھیں ٹیکس کے قانون اور تحصیل وصول وغیرہ میں جو منظم رواج رکھے جاتے تھے اسلام نے  
 ان کو کس طرح ختم کیا اور کاشتکاروں کو کس قدر سہولتیں دیں، افسروں کے انتخاب کے متعلق سخت قوانین بنا کر  
 بے ایمانی، رشوت ستانی اور جبر و ظلم کو کس طرح روکا؟ اس کتاب میں اس طرح کے پیشمار عنوانات پر تحقیق و بصیرت  
 کی روشنی میں تفصیلی کلام کیا گیا ہے۔ اسلام کے نظامِ زراعت پر اس درجہ کی کوئی کتاب اب تک نہیں لکھی گئی  
 اس کتاب کی اشاعت سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے اور وقت کے اس اہم مسئلہ پر ایک نفیس کتاب وجود میں آگئی  
 ہے۔ کتاب کے آخر میں تمام بحثوں کا ایک بصیرت افروز خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ مولف مولانا محمد تقی صاحب رشتیق  
 ندوۃ المصنفین صفحات ۳۱۶ بڑی تقطیع قیمت پر مجلد چار روپے مجلد پانچ روپے۔ مکتبہ برہان اردو بازار دہلی